محدثین کرام کی توقیتِ غزوات۔ایک تجزیہ

ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعے کے ذیل میں محدثین کرام اور سیرت نگاروں کا اختلاف اب حقیقتِ واقعہ سمجھا جانے لگا ہے۔متعدد جدید سیرت نگاروں نے بھی یہ اصول تسلیم کرلیا ہے کہ سیرتِ نبوی کے کسی ایشو پر روایاتِ حدیث اور اخبار سیرت میں اختلاف و تصادم کی صورت میں روایاتِ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔(۱)

دوسری طرف اتنے ہی یا ان سے زیادہ سیرت نگار ایسے ہیں جو ہر حال میں روایاتِ سیرت کو ترجیح دیتے ہیں، کبھی بالواسطہ طور سے اور کبھی روایاتِ حدیث کا حوالہ دیئے بغیر۔(۲)

البتہ کچھ ایسے قدیم وجدید اہل قلم ہیں جو دونوں نوع کی روایات میں تقابلی مطالعہ کرتے ہیں اور تاریخی واقعات اور روحِ سیرت کے مطابق اور صدق تحریر کی خاطر جس کو صحیح سمجھتے ہیں ترجیح دیتے ہیں۔اس الزام کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ محدثین کرام کی مرویات کے خلاف جانے کی جرأت رندانہ کرتے ہیں۔(۳)

قدیم وجدید سیرت نگاروں نے اپنے اپنے ذوق، رجحان اور فکر کے موافق متعدد کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں دونوں قسم کی روایتوں کو جابجا پیش کر کے تطبیق، ترجیح اور تلقین کا کام کیا ہے، مگر انہوں نے یا دوسرے اہل قلم نے محدثین کرام اور اہلِ سیر عظام کی روایات واحادیث کا تقابلی مطالعہ اور تنقیدی تجزیہ نہیں کیا ہے۔خاص طور سے سیرت نبوی ﷺ سے متعلق روایات محدثین کا۔(۴)

اور جب تک ایسا تجزیہ نہ کیا جائے حقیقت کا پتہ لگانا مشکل ہے، یہ سعادت شاید نصیب ہیچ مدان میں لکھی گئی تھی۔اس مطالعے میں حدیث وسیرت کی روایات کا تقابلی مطالعہ مختلف فصول میں کیا گیا ہے۔اول بحث غزوات وسرایائے نبوی کی توقیت پر ہے۔دوسری بحث ان کی ترتیب سے متعلق ہے۔تیسری بحث میں واقعات وغزوات وسرایا کا تجزیہ ہے۔ان تمام مباحث میں توجہ پوری طرح محدثینِ کرام کی روایاتِ مغازی پر مرکوز رکھی گئی ہے۔اور اہل سیر سے یا ان کی روایات

سے موازنہ و مقارنہ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرا وسیع مبحث ہے۔

الف۔غزوات وسرایائے نبوی کی توقیتِ محدثین

اہل سیرت نے بالعموم اور بہ طور اصول تمام غزوات وسرایا کی توقیت کی ہے اور متعدد تاریخوں کا ذکر ایک ہی غزوے یا سریئے کے ضمن میں بسا اوقات کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی غزوہ یا آپ کے صحابہ کرام کا کوئی سریہ ایسا نہیں ہے جس کی انہوں نے تاریخ نہ دی ہو۔(۵)

ان کے بالمقابل محدثین کرام کا طریقہ بالعموم یہ ہے کہ وہ تاریخوں کا ذکر بہت کم کرتے ہیں لہٰذا ان کی توقیت غزوات یا توقیت واقعات غالب معاملات میں ناقص ہوتی ہے۔(۶)

دار صل اس کے لئے وہ مورد الزام ہی نہیں ہیں کہ ان کا طریقۂ تالیف اور ہدف تحریر وقت و زمانے کی تعیین نہ تھا، بل کہ شرعی، فقہی اور قانونی مطمح نظر تھا، جس کے ذریعے وہ امت [illegible]می کے سامنے بالخصوص اور سارے عالم کے آگے بالعموم رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام اور سلف عظام کا وہ اسوۂ حیات اور نمونۂ عمل پیش کرنا چاہتے تھے جس کی ہر حال میں تقلید و پیروی کی جائے، تا کہ دنیا میں فوز و فلاح اور عقبیٰ میں نجات و نعمت نصیب ہو۔ ان کے مقابلے میں سیرت نگاروں کا طریقہ تالیف اور مقصود تحریر یہ تھا کہ ان کے قاریوں کو واقعات و حادثات کی معلومات اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ مل سکیں، پھر چاہے وہ ان کو سرمہ عبرت و موعظت بنائیں یا محض اپنی معلومات اور علم میں اضافہ کریں۔ اس نکتے پر دونوں اصحاب قلم کا تجزیہ یہاں نہیں کیا جا رہا ہے کہ وہ توقیت پر دونوں نقاط نظر کے اختلاف کی بحث میں از خود آ جائے گا۔(۸)

غزوات وسرایا کی توقیت میں اختلاف اہل مغازی کے درمیان بھی پایا جاتا ہے، ابن اسحاق اور واقدی بالعموم دو مختلف مکاتبِ فکر اور متبائن نقاطِ نظر کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں، اگر چہ دونوں صاحبانِ سیرت اور وابستگانِ مدرسۂ مدینہ ہیں۔ مغازی نگاروں بالخصوص ان دونوں کی توقیت غزوات سرایا کا ایک عمدہ جائزہ لیا جا چکا ہے۔(۸)

تیسرے صاحب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہیں جو ان دونوں سے بھی مختلف توقیت کہیں کہیں کرتے ہیں لیکن ان کا مکمل تجزیہ محض اس لئے نہیں کیا جا سکا کہ ان کی کتاب کتاب المغازی کامل طور سے نہیں ملی، صرف اس کے بعض اجزا مل سکے ہیں۔ یا مختلف کتابوں میں جن میں کتب حدیث بھی

شامل ہیں ان کی روایات ملتی ہیں۔(۹)

ب۔مطالعۂ توقیت حدیث کے طریقے

محدثین کرام کی توقیت مغازی کا مطالعہ مختلف طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ان میں ایک تو ترتیب زمانی اور تاریخی تسلسل کا طریقہ ہے جو بالعموم سیرت نگاروں نے اختیار کیا ہے۔مگر وہ محدثین عظام کی روایات کے تجزیئے میں زیادہ سودمند نہیں ثابت ہوسکتا،اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام غزوات کی توقیت نہیں کی ہے۔توقیت اکثر و بیشتر دن،تاریخ،ماہ اور سن کی قید سے بھی نہیں کی گئی ہے۔کبھی توقیت کا حوالہ ان کے ابواب کی عبارتوں میں ملتا ہے اور کہیں کہیں احادیث ومریات سے معلوم ہوتا ہے،کبھی وہ ہجرت یا کسی اور واقعے کے حوالے سے توقیت کرتے ہیں۔اور کبھی وہ اپنے راویوں اور کتابوں کے حوالے سے۔اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیثی توقیتِ مغازی کا روات ومغازی کے حوالے سے مطالعہ کیا جائے،اس لئے کہ وہ ان کے عام منہج روایت کے مطابق بھی ہے۔

ہمارے مطالعے اور تجزیئے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کرام نے غزوات وسرایا کی توقیت کے لئے روایت کے اعتبار سے تین طریقے اختیار کئے ہیں:

اول:وہ مغازی جن کی توقیت محدثینِ کرام نے صرف اپنی یا اپنے رواۃِ حدیث کی سندوں کی بنیاد پر کی ہے۔

دوم:وہ غزوات وسرایا جن کی توقیت میں انہوں نے صرف اہل سیر کی روایات وآرا نقل کی ہیں۔

سوم:وہ مہمات نبوی جن کی توقیت میں محدثین کرام کی اپنی اسناد بھی موجود ہیں اور اہل سیر کی روایات بھی۔ان طریقوں کے ضمن میں بعض دوسرے نکات بھی آتے ہیں جن کا ذکر برابر آتا رہے گا۔ہم نے اپنی بحث میں زیادہ ترصحیحین پر اعتماد کیا اور ان میں سے بھی زیادہ صحیح بخاری پر کہ صحیح مسلم میں اس موضوع پر مواد کم ہے اور دوسری کتب حدیث میں اس سے بھی کم تر۔(۱۱)

بہ ہر حال جہاں جہاں توقیت کے مسئلے پر ان کتابوں میں مواد ملا ہے اس کو بھی سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ذیل میں ہم صحیح بخاری سے اس بحث کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

محدثین کرام کی اپنی یا رواۃ کی سند پر توقیت غزوات وسرایا

ائمہ حدیث نے توقیت کے ضمن میں بہت کم غزوات وسرایا کا ذکر اپنی اسناد پر کیا ہے۔ ان میں سے جن کا ذکر امام بخاری نے اپنی اسناد سے کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو رافع یہودی کے قتل کے سریئے کی توقیت یوں کی ہے کہ بہ قول زہری وہ کعب بن اشرف کے قتل کے سریئے کے بعد ہوا تھا۔(۱۲)

۲۔ غزوہ ذات الرقاع کو غزوہ محارب بن خصفہ/ بنو ثعلبہ/ غطفان کہنے کے علاوہ اس کے باب میں اس کو خیبر کے بعد ہونا بتایا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری خیبر کے بعد آئے تھے اور وہ اس غزوہ میں شریک تھے۔(۱۳)

۳۔ غزوہ ذات القرد کو خیبر سے تین پہلے ہونا بتایا ہے معلوم نہیں، تین دن پہلے ہے یا تین ماہ یا تین سال (۱۴)

۴۔ غزوہ فتح مکہ کے باب ہی میں صراحت کی ہے کہ وہ رمضان میں ہوا تھا، پھر حضرت ابن عباس کی ایک روایت اور حضرت سعید بن مسیّب کے ایک اثر میں بھی یہی ذکر ہے، جب کہ حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت میں مزید وضاحت یہ کی ہے کہ ہجرت نبوی کے ساڑھے آٹھ سال بعد ماہ رمضان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔(۱۵)

۵۔ غزوہ حنین کے بارے میں ایک روایت حضرت ابن عباسؓ کی یہ نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں حنین کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اگر چہ اور غزوات وسرایا کے بارے میں امام بخاری کی توقیت سنہ و ماہ و تاریخ کی قید کی بنیاد پر نہیں ملتی اور نہ ہی ان کی اپنی اسناد کی بنا پر نظر آتی ہے مگر بعض دوسرے سرایا کو اسی زمرے شمار کیا جا سکتا ہے جیسے امام موصوف نے حضرت علی بن ابی طالب اور خالد بن ولید کی مہمات یمن کو حجۃ الوداع سے قبل بھیجے جانے کا ذکر کیا ہے اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ امام صاحب نے ان کی توقیت اپنی سند پر کی ہے یہ عبارت ان کے متعلقہ باب میں ہی موجود ہے۔

(۲) اہل سیر کے حوالے سے محدثین کرام کی توقیت غزوات وسرایا

ان غزوات وسرایا کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے جن کی توقیت میں امامان حدیث نے سیرت نگاروں اور مغازی کی روایات، آرا اور اقوال نقل کئے ہیں اور اپنی سند پر کوئی تاریخ یا سن نہیں دیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے اور یہ امام بخاری کی روایات پر اصلاً مبنی ہے۔

۱۔ابن اسحاق کی سند/حوالے سے بتایا ہے کہ اولین غزوہ نبوی غزوہ الابواء تھا اس کے بعد غزوہ بواط ہوا اور اس کے بعد غزوہ العشیرہ، مگر امام بخاری نے سلسلہ غزوات نبوی کا ذکر اپنی سند سے غزوہ العشیرہ/العسیرہ سے شروع کیا ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی سند پر روایت نقل کی ہے کہ صحابی موصوف کا اولین غزوہ غزوۃ العشیرہ تھا جس میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی سعادت حاصل کی تھی۔(۱۸)

۲۔غزوۃ الرجیع اور غزوۂ بئر معونہ اور ان کے متعلقات کا ایک باب باندھا ہے جس کے آخر میں یہ تصریح کی ہے کہ حضرت عاصم بن عمر کی سند پر ابن اسحاق کے بہ قول ان کا وقوع غزوہ اُحد کے بعد ہوا تھا۔(۱۹)

۳۔غزوہ خندق کو احزاب کہہ کر موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ شوال ۴ھ میں ہوا تھا۔(۲۰)

۴۔غزوہ بنی قریظہ کی کوئی قطعی تاریخ تو امام بخاری نے نہیں دی ہے مگر اس کے غزوہ خندق سے متصلاً وقوع پذیر ہونے کا ذکر کیا ہے۔جیسا کہ تمام سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے، لہٰذا اس کی تاریخ بھی موسیٰ بن عقبہ کے قولِ مندرجہ بالا کے مطابق شوال یا ذوالقعدہ ۴ھ ہی قرار پاتی ہے۔(۲۱) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام موصوف نے موسیٰ بن عقبہ کی بیان کردہ تاریخ قبول کرلی تھی اور بہ شرطے کہ وہ صحیح بھی ہے۔

۵۔غزوہ بنی المصطلق غزوۂ مریسیع سے متعلق امام بخاری نے دو اہم مغازی نگاروں کی توقیت نقل کی ہے: اول ابن اسحاق کا قول بیان کیا ہے کے وہ ۶ھ کا واقعہ بتاتے ہیں پھر موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے جس کے مطابق وہ ۴ھ کا واقعہ قرار پاتا ہے۔(۲۲)

۶۔غزوہ طائف کے بارے میں صرف موسیٰ بن عقبہ کا قول بیان کیا ہے کہ اس کا وقوع شوال ۸ھ میں ہوا تھا، اہل سیر کے مذکورہ بالا توقیتی اقوال کا مختصر تجزیہ بتاتا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں کئی طریقے اختیار کئے ہیں، کہیں صرف ایک صاحب خانہ کا قول توقیت نقل کی ہے کہیں دو سیرت نگاروں کے اقوال مختلفہ کو یکے بعد دیگرے لائے ہیں، جہاں صرف ایک سیرت نگار کا ذکر کیا ہے، وہاں کسی جگہ تو صرف ابن اسحاق ہیں اور کسی جگہ موسیٰ بن عقبہ، دوسروں کا حوالہ نہیں دیا ہے۔(۲۴)

حدیثی اور سیرتی مآخذ/ روایات دونوں کی بنا پر توقیت غزوات وسرایا

محدثین کرام کا تیسرا توقیت طریقہ یہ ہے کہ وہ بعض غزوات وسرایا کے ضمن میں اپنی سند پر بیان کردہ روایات کی بنیاد پر بھی توقیت کرتے ہیں، اور مغازی نگاروں کی روایات کو بھی نقل کرتے ہیں۔ اس میں غالباً سب سے کم غزوات کی تعداد ملتی ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے اور یہ بھی اصلاً امام بخاری پر منحصر ہے۔

۱۔ غزوہ بنی النضیر کا باب امام بخاری نے کافی مفصل باندھا ہے جس میں اس غزوے کا محرک وسبب بھی مذکور ہے۔ پھر توقیت کے حوالے سے امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ غزوہ اُحد سے قبل اور غزوہ بدر کے چھ ماہ بعد وقوع پذیر ہوا تھا اور سورہ حشر کی ایک آیت کریمہ نقل کرنے اور اس سے ایک طرح سے اس استشہاد کرنے کے بعد ابن اسحاق کا قول نقل کیا ہے بل کہ ابن اسحاق کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ انہوں نے اس کو بئر معونہ اور اُحد کے بعد واقع ہونا بتایا ہے۔ (۲۵)

محدثین کرام کے ہاں خاص کر امام بخاری کی صحیح میں یہود مدینہ کے خلاف تینوں غزوات بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کے بارے میں دراصل خاصا ابہام اور کافی الجھاؤ ملتا ہے (۲۶) جس پر بحث آگے آتی ہے

۲۔ غزوہ ذات الرقاع کو امام بخاری نے اس بنا پر کہ اس میں حضرت ابوموسی اشعری شریک رہے تھے غزوہ خیبر کے بعد کا واقعہ قرار دیا ہے کیوں کہ وہ اس سے قبل مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے، جب کہ باب کی عبارت میں ہی انہوں نے ابن اسحاق کی تین روایات نقل کی ہیں۔ (۲۷)

۳۔ ایک لحاظ سے غزوہ خندق غزوہ احزاب کو بھی اسی زمرے میں رکھا جا سکتا ہے کہ بہ قول موسیٰ بن عقبہ اس کا زمانہ وقوع شوال ۴ھ تھا اور امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر کی جو روایات نقل کی ہیں وہ اس کی بالواسطہ تائید کرتی نظر آتی ہیں۔ روایات کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر کو غزوہ اُحد میں شرکت کی اجازت نہ دی کہ وہ چودہ برس کے تھے مگر غزوہ خندق میں شریک جہاد ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی اس وقت وہ پندرہ سال کے تھے، اسی بنا پر بعض شارحین کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ غزوہ اُحد چوں کہ ۳ھ میں ہوا تھا اس لئے ان روایات سے موسیٰ بن عقبہ کی توقیت کی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۴ھ ہی میں ہوا تھا اگرچہ ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ان دونوں غزوات کے مابین دو سال کا فرق بھی

ہوسکتا ہے کہ اول غزوے میں حضرت ابن عمر کا چودھواں سال شروع ہوا ہو۔ اور غزوہ خندق میں پندرھواں پورہ ہو چکا ہو۔ (۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جہاد میں شرکت کی عمر کی بنیاد پر غزوات وسرایا کی توقیت کرنے کا رجحان بعض خطرناک مضمرات اور دوررس نتائج کا حامل ہوسکتا ہے، غزوہ اُحد میں ان کو کم عمری یا نابالغی کے سبب شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی، جب کہ ان کے ہم عمرو ہم سن ساتھی حضرات سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کو ان کی ماہرانہ صلاحیت اور جسمانی طاقت کے سبب اجازت مل گئی تھی، اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ ایک خاص حدِ عمر یعنی پندرہ سال سے کم ہونا شرکت جہاد سے محروم کر دیتا ہے، لیکن پندرہ سال کے معاً بعد جہاد میں شرکت کا لازمی ہونا ضروری نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض دوسرے ہم عمر صحابہ کرام کو غزوہ خندق میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی کہ وہ کم ترین حدِ عمر جہادی پار کر گئے تھے، یعنی وہ پندرہ سال کے یا اس سے اوپر ہو چکے تھے، ممکن ہے کہ سولہ سال کے ہوں۔ پھر یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد جو غزوات ہوئے وہ اس کے متصلاً بعد کے زمانے میں ہوئے، یا مدینہ منورہ کے باہر وقوع پذیر ہوئے، مؤخر الذکر میں ممکن ہے کہ حضرت موصوف نہ گئے ہوں مدینہ منورہ میں اُحد کے بعد جنگ خندق ہی اولین واقع ہونے والا غزوہ ہے اور حضرت ابن عمر کی درخواست وخواہش پر ان کو صرف اس لئے شریک کروں گا کہ وہ جہادی مطلوبہ عمر کو پہنچ چکے تھے لہٰذا یہ کہنا کہ اُحد خندق میں ایک سال کا فرق تھا، درایتی لحاظ سے بھی صحیح نہیں، جن محدثین کرام نے ایسی تطبیق کی ہے وہ صرف موسیٰ بن عقبہ اور ان کے حامیوں کی بیان کردہ تاریخ غزوہ کے اثبات وترجیح کے لئے کی ہے اور وہ امام بخاریؒ کی خاطر کہ امام موصوف نے موسیٰ بن عقبہ کی بیان کردہ تاریخ نقل کر دی ہے انہوں نے تو ابن اسحاق کی روایت بھی نقل کی ہیں۔ اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ وہ امام ابن اسحاق پر موسیٰ بن عقبہ کو ترجیح دیتے ہیں اور موخر الذکر کی تاریخ کو قبول فرماتے ہیں۔ (۲۹)

غزوات وسرایا کی تعداد

امام بخاری اور دوسرے محدثین کرام نے غزوات نبوی کی کل تعداد بیان نہیں کی ہے۔ لہٰذا سرایا کی کل تعداد بیان کرنے کی توقع رکھنی ہی عبث ہے۔ بہ ہر حال امام بخاری نے غزوات کی تعداد کی تعیین بعض صحابہ کرام کی شرکت اور عدم شرکت کی بنیاد پر کی ہے، ایک روایت کے مطابق

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا ہے کہ رسول ﷺ کے صرف انیس غزوات تھے، جن میں سے سترہ میں وہ شریک رہے اور ان کا اولین غزوہ شرکت غزوۂ عشیرہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت براء بن عازب نے پندرہ غزوات میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری نے سولہ غزوات میں شرکت کی سعادت پائی تعداد غزوات پر امام بخاری کی کل روایت یہی روایات ہیں۔ (۳۰)

امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم کی مذکورہ بالا حدیث اپنی دوسندوں سے نقل کی ہے اور اس میں غزوات کی تعداد انیس ہے جب کہ حضرت جابر بن عبداللہ کی اگلی حدیث میں ان کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت کی اور غزوات بدر واحد میں اپنے والد ماجد کے منع کرنے کے سبب شریک نہ ہو سکے، لیکن جب غزوہ احد میں حضرت عبداللہ کی شہادت ہوگئی تو حضرت جابر نے ہر غزوہ میں شرکت کی، اور کوئی غزوہ نہ چھوڑا اس حدیث سے غزوات کی کل تعداد اکیس بن جاتی ہے، مگر اگلی روایت جو حضرت بُریدہ کے والد ماجد کی سند پر بیان ہوئی یہ بیان کرتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انیس غزوات ترتیب دیئے جن میں سے آٹھ میں جنگ کی۔ حضرت سلمہ کی اس باب کی آخری روایت میں یہ بیان ہے کہ صحابی موصوف نے سات غزوات میں شرکت کی اور نو سرایا (بعوث) میں بھی جن میں سے ایک کے امیر ابوبکر صدیق تھے اور دوسرے کے اسامہ بن زید۔ (۳۱)

امام ترمذی نے بخاری والی حدیث زید بن ارقم کے مطابق غزوات کی تعداد انیس بتائی ہے، جب کہ ان کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اپنی شرح تحفۃ الاحوذی میں صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت حضرت جابر کی سند پر اکیس کا ذکر کیا ہے اور حضرت زید بن ارقم کی روایت کی توجیہ کی ہے کہ وہ غالباً صغر سنی کی بنا پر ابواء و بواط میں شرکت نہ کر سکے تھے، مولانا مبارک پوری نے واقدی ابن اسحاق اور سہیلی وغیرہ کے حوالوں کے بعد عبدالرزاق کی روایت سعید بن المسیب پر ان کی تعداد چوبیس قرار دی ہے۔ (۳۲)

دوسرے محدثین کرام خاص کر بقیہ صحاح ستہ کے مولفین عظام امامان عصر ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے چوں کہ کتاب المغازی یا غزوات وسرایا کا ذکر آئینی دینی اور مذہبی نقطہ نظر سے کیا ہے اور ان کے ہاں تاریخی اور واقعاتی بیان کم ملتا ہے، اس لئے ان کی روایات کا تجزیہ کرنا یہاں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ (۳۳)

اصل بات یہ ہے کہ توقیت غزوات کا بیشتر بل کہ ایک طرح سے سارا کاروبار امام بخاری

نے انجام دیا ہے اس لئے ان ہی کی روایت واحادیث پر انحصار کرنا لازمی بن گیا ہے۔

غزوات وسرایا جن کی توقیت محدثین نے نہیں کی

پہلے بھی یہ بات کہی جا چکی ہے کہ محدثین کرام نے بہت کم غزوات وسرایا کی توقیت تیار کی ہے اور بیشتر غزوات ومہمات کی تعیین زمانی ان کے ہاں نہیں ملتی اور نہ ان کی بیان کردہ احادیث نبوی یا آثارِ صحابہ کرام سے کی جاسکتی ہے بعض روایات واحادیث سے جزوی توقیت ہو جاتی ہے مگر وہ بہ ہر حال تاریخی تقاضوں اور واقعاتی مطالبوں کو پورا نہیں کرتی۔ ذیل میں ان غزوات وسرایا کی فہرست دی جارہی ہے جن کی توقیتِ حدیثی میسر نہیں۔

غزوات: ابواء، بواط، سفوان/ بدر اولیٰ، العشیرہ، بدر کبریٰ، بنوقینقاع، سویق الکدُر، ذوامر، بحران احد، حمراء الاسد، بدر الموغد، دومہ الجندل، لحیان، حدیبیہ، خیبر، فدک، تیما، وادی القری، تبوک گویا کہ حدیثی توقیت لگ بھگ اکیس غزوات کی نہیں ملتی لگ بھگ اس لئے کہا گیا کہ خیبر کے ساتھ اگر فدک، تیما، اور وادی القریٰ کو ایک غزوہ کا سلسلہ مان لیا جائے تو ایسے غیر موقت غزوات کی تعداد اٹھارہ رہ جاتی ہے۔ صراحت کے ساتھ کل سات غزوات کی اور مضمر طور سے نو غزوات کی توقیت حدیث میں ملتی ہے اور وہ بھی جزوی طور پر کہ کہیں مہینے کا ذکر نہیں ہے تو کہیں اور کوئی چیز مذکور نہیں ہے۔

سرایا کی توقیت تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہے کہ صرف چند کی توقیت کی گئی ہے جیسے سریہ ابی رافع، رجیع، بئر معونہ۔ باقی سرایا جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق ستاون کے قریب پہنچتی ہے محدثین کرام کی توقیت سے محروم رہ گئے ہیں۔ ان کی فہرست یہاں دینا مناسب نہیں کہ تکرار ہوگی۔

توقیت یا عدم توقیت کا مسئلہ

ہمارا مذکورہ بالا تجزیہ واضح کرتا ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک غزوات وسرایائے نبوی کی توقیت نہ ضروری تھی اور نہ ان کے لئے مناسب کیوں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مغازی کو دینی حکم اور شرعی مسئلہ بتانے کے لئے نقل کر رہے تھے اور صاحبان مغازی اور ارباب سیرت کی مانند توقیت واقعات سرے سے ان کے پیش نظر نہ تھی۔ بل کہ ایک حد تک یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اماماں حدیث کو غزوات وسرایا کے واقعاتی پہلو سے ہی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو صرف ان سے فقہی احکام واسوۂ نبوی کا استنباط کرنے کی حد تک دلچسپی لیتے تھے۔ اس کی تائید امام بخاری کے

علاوہ دوسرے تمام امامان حدیث کے ابواب کی نوعیت سے ہوتی ہے دوسری اہم دلیل یہ بھی ہے کہ ان تمام ائمہ فن نے غزوات وسرایا کی کامل فہرست تک نہیں دی ہے اور صرف ان تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے جن کے بارے میں ان کو اپنے مطلب ومقصود کی روایات مل سکیں، یہی وجہ ہے (جو تیسری دلیل یا ثبوت ہے) کہ بعض غزوات وسرایا سے متعلق روایات حدیث کے ان اماموں نے کتاب المغازی، کتاب الجہاد، کتاب السیر یا غزوات وسرایا کے ابواب میں نہیں بیان کی ہیں، بل کہ ان کو دوسرے فقہی ابواب اور شرعی فصول میں نقل کیا ہے۔ چناں چہ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، جیسے خالص دینی ابواب میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ جس سے بہ ہر حال یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوات وسرایائے نبوی کی تفصیلات، خواہ ان کا تعلق واقعات واحوال سے ہو یا توقیت وتعیین زمانہ سے، محدثین کرام کے دائرہ عمل سے باہر تھیں کہ وہ امامان سیرت کا خاص فنی دائرہ تھا۔ (۳۴)

حدیثی توقیت غزوات کا تجزیہ

ہمارے نقطۂ نظر کی تائید امام بخاری کے سوا دوسرے تقریباً تمام محدثین کرام یا مؤلفین کتب حدیث کے طرز عمل سے ہوتی ہے کہ انہوں نے توقیت کی کوئی کوشش ہی نہ کی اور اکا دکا جو تاریخیں ان کی روایات میں درآئی ہیں وہ دراصل راوی اول یعنی صحابی جلیل کی روایت یا حدیث کا حصہ ہیں اور اکثر وبیشتر اس میں موجود کسی فقہی حکم یا دینی مسئلے کی وضاحت کی خاطر بہ طور دیباچہ آئی ہیں۔ جیسے فتح مکہ کے سلسلے میں حضرت ابن عباس کی روایت میں رمضان کا ذکر کہ وہ روایت یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ دوران سفر رمضان کا روزہ رکھنا لازمی نہیں، اور بہتر طریقہ یا سنت نبوی یہ ہے کہ افطار کرے اور بعد میں اس کی قضا کرے۔ (۳۵)

اب مسئلہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے ابواب کی عبارت میں بعض غزوات وسرایا کی توقیت کرنے کی کوشش کیوں کی ہے، اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام موصوف نے بالعموم ان غزوات وسرایا کی توقیت کی ہے جن کے بارے میں کسی قسم کا ابہام یا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے ان کی توقیت کی جو درجہ بندی کی ہے اس کے مدنظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تینوں طبقات میں امام موصوف کا یہی نقطۂ نظر تھا، چناں چہ ایک آدھ جگہ کے سوا تمام غزوات وسرایا میں دو مختلف آرا یا اقوال کا ذکر پایا جاتا ہے، مثلاً بنو النضیر میں زہری اور عروہ کا اختلاف ابن اسحاق سے دکھایا

گیا ہے قتل ابی رافع میں تمام مورخین سے زہری کا اختلاف موجود ہے۔ رجیع و معونہ کی تاریخ خاص ابن اسحاق کے حوالے سے پیش کی ہے کہ بعض روایات دوسرا زمانہ بتاتی ہیں۔ خندق اور طائف میں موسیٰ بن عقبہ کی تاریخیں دی ہیں جو اختلافی ہیں، مریسیع کے بیان میں ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ دونوں کی اختلافی تاریخیں نقل کی ہیں اسی طرح ذات القرد اور ذات الرقاع کی تاریخیں اگر چہ کسی امام فن کے حوالہ سے نقل نہیں کی گئی ہیں لیکن وہ مورخین کے اختلاف ہی کو ظاہر کرنے کے لئے نقل کی گئی ہیں ان تمام غزوات و سرایا کی توقیت میں جو نکتہ سب سے اہم نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ امام موصوف مختلف سیرت نگاروں اور توقیت نویسوں کی آرا و اقوال نقل کرنا چاہتے ہیں اور ان کا مقصد کسی کو ترجیح دینا یا کسی کی تردید کرنا نہیں ہے۔ (۳۶)

توقیت غزوات حدیثی نہیں سیرتی ہے۔

بخاری توقیتِ غزوات و سرایا سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ وہ امام موصوف یا محدثین کرام کی رائے گرامی بھی تھی۔ کیوں کہ جو کچھ اس باب خاص میں کہا گیا ہے وہ ائمان حدیث کی روایت و رائے نہیں ہے بل کہ تاریخ نگاروں کے اقوال کی روایت ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ امام بخاری نے کسی جگہ ان کی توقیت کے بارے میں اپنی رائے نہیں دی ہے اور اس سے بڑی واقعاتی شہادت یہ ہے جتنی اور جیسی کچھ تاریخیں ان غزوات و سرایا کے ضمن میں دی گئی ہیں وہ سب کی سب سیرت کے اماموں خاص کردو مختلف نقاط نظر کے ترجمان مؤلفوں ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ، کی بیان کردہ تاریخوں پر مبنی ہیں، یہ وہ نقطہ ہے جس کی طرف کسی بھی مؤلف یا سیرت نگار نے توجہ نہیں دی ہے۔ (۳۷)

تجزیے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زیادہ تر تاریخوں یا توقیت کا ذکر ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اور کہیں کہیں امام زہرہ اور حضرت عروہ بن زبیر کا بھی ذکر خیر آیا ہے بلا شبہ امام زہری فن حدیث میں بھی امام بخاری کے ایک بڑے راوی یا ماخذ ہیں اور یہی معاملہ حضرت عروہ بن زبیر کا ہے لیکن یہاں ان دونوں بزرگوں کا حوالہ بہ طور امام حدیث نہیں دیا گیا ہے بل کہ بہ طور مؤلفینِ مغازی دیا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی کتاب المغازی مرتب کی تھی۔ امام بخاری نے ان دونوں سے ممکن ہے فائدہ اٹھایا ہو۔ امام زہری کی کتاب المغازی تو اب دست یاب نہیں لیکن حضرت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی ایک روایت، روایت ابوالاسود ہم

تک پہنچ گئی ہے۔(۳۹)

ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کے باہمی درجہ ثقاہت اور تقابلی منزلہ و علمیت سے قطع نظر امام بخاری کے حوالوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے زیادہ مقامات پر ابن اسحاق کا حوالہ دیا ہے اور کم احوال میں موسیٰ بن عقبہ۔ واقعی طور سے ابن اسحاق کا حوالہ سات مقامات/غزوات کے بارے میں ہے جب کہ موسیٰ بن عقبہ کا صرف تین جگہ۔ اگر غزواتِ بواط، ابواء میں ابن اسحاق کے حوالوں کو دو الگ الگ غزوات کے سلسلے میں مانا جائے تو یہ تعدادِ حوالہ ان کے ضمن میں نو مقامات تک پہنچ جاتی ہے۔(۳۹)

محدثین کی ترتیبِ غزوات و سرایا

توقیت غزوات و سرایا میں خاص کر اور دوسرے تاریخی واقعات میں عام طور سے زمانی ترتیب کی تعیین اور تاریخی تسلسل کی تشخیص کا ایک طریقہ یہ بھی اپنایا جا سکتا ہے اور واقعتاً اختیار بھی کیا جاتا ہے کہ اہل قلم نے واقعات و اخبار کو اپنی کتابوں میں کس ترتیب سے پیش کیا ہے، خاص کر ان معاملات و امور میں جہاں واضح تاریخ یا صریح توقیت نہیں کی جاتی۔ محدثین کرام کی توقیت غزوات میں بھی اس طریقے کو استعمال کیا گیا ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کم از کم شیخین بخاری و مسلم کی ترتیب پر ایک نظر ضرور ڈالی جائے، تاکہ بعد میں بحث کی تنقیح میں آسانی اور تجزیہ میں سہولت ہو۔

امام بخاری کی ترتیب غزوات و سرایا حسب ذیل ہیں جو ان کے ابواب پر مبنی ہے، ۱۔غزوۃ العشیرہ/العسیرہ، ۲۔غزوہ بدر سے متعلق مختلف ابواب، ۳۔باب غزوہ بنی النضیر، ۴۔باب قتل کعب بن الاشرف، ۵۔قتل ابی رافع عبداللہ بن ابی الحقیق، ۶۔غزوہ احد اور اس کے متعلق ابواب، ۷۔غزوۃ الرجیع و بئرمعونہ، ۸۔غزوۃ خندق/احزاب، ۹۔غزوۃ بنی قریظہ، ۱۰۔غزوۃ ذات الرقاع، ۱۱۔غزوۂ بنی المصطلق، ۱۲۔غزوۃ انمار، ۱۳۔باب حدیث الافک، ۱۴۔غزوۃ الحدیبیہ، ۱۵۔قصہ/غزوۃ عکل و عرینہ، ۱۶۔غزوۃ ذات القرد، ۱۷۔غزوۃ الخیبر اور اس کے متعلقات، ۱۸۔غزوۃ زید بن حارثہ، ۱۹۔عمرۃ القضاء، ۲۰۔غزوۃ موتہ، ۲۱۔بعث اسامہ بن زید (رقات جہینہ)، ۲۲۔غزوۃ الفتح اور اس کے متعلقہ ابواب، ۲۳۔غزوۃ حنین، ۲۴۔غزوۃ اوطاس، ۲۵۔غزوۃ طائف، ۲۶۔سریۂ نجد، ۲۷۔سریۂ خالد (بنو جذیمہ)، ۲۸،

۲۹۔ سرایائے علی بن ابی طالب وخالد بن ولید۔ یمن، ۳۰۔ غزوۃ ذوالخلصہ، ۳۱۔ غزوۃ ذات السلاسل، ۳۲۔ سریہ جریر (یمن)، ۳۳۔ غزوۃ سیف البحر۔ زیر کمان ابوعبیدہ، ۳۴۔ اس کے بعد بعض وفود اور حجۃ الوداع کے ابواب ہیں، ۳۵۔ باب غزوۃ تبوک اور اس کے متعلقات، ۳۶۔ کسریٰ وقیصر وغیرہ کے نام فرامین، ۳۷۔ مرض وفات نبوی کے ابواب، ۳۸۔ سریہ اسامہ بن زید در مرض وفات، ۳۹۔ تعداد غزوات جو بخاری کی کتاب المغازی کا آخری باب ہے۔ (۴۰)

کتاب الجہاد کے عنوان کے تحت فضل و وجوب و ترغیبِ جہاد، فضل مجاہدین و شہداء، اطاعتِ امیر، وقت غارت گری اور دوسرے متعلقہ امور مذکور ہیں (۴۱) پھر ابواب قسم الغنائم کے تحت غنیمت سے متعلق روایات وفصول ہیں (۴۲) اس میں فدیہ اسیر، قتل اسیر، جاسوس، حربی کے اسلام وغیرہ کے مباحث شامل ہیں اور وہ بھی مختلف غزوات کے حوالے سے پھر ابواب الامان والصلح کی عام سرخی کے تحت متعدد امور حربی زیر بحث آئے ہیں (۴۳) اگلا باب ابواب السبق والرمی کے عنوان سے ہے۔ (۴۴) ابواب صفات الخیل آخری باب/فصل یا حصہ ہے جس میں شہسوار، شہسواری اور خیل کی صفات وفضائل کا ذکر خیر ہے۔ (۴۵)

بخاری ترتیب غزوات کا تجزیہ

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بہ ہرحال واضح ہو جاتا ہے کہ امامان حدیث نے کتاب المغازی کو دینی نقطۂ نظر سے اور تشریعی پہلو سے بیان کیا ہے، اگرچہ امام بخاری کے ہاں کسی قدر واقعاتی اور ترتیبی اور تاریخی انداز پایا جاتا ہے مگر وہ بھی دراصل دینی اور تشریعی ہی ہے۔ اس کو عام اہل سیر کی مانند توقیتی اور واقعاتی انداز سمجھنا کسی طرح سے صحیح نہیں۔ اس لئے امام بخاری کی ترتیب غزوات و سرایا سے توقیت کی تخریج بالکل صحیح نہیں۔ ورنہ یا تو مستشرقین کی مانند ہم ان بزرگان کرام پر غلط توقیت نگاری کا الزام دھریں گے یا تاریخی واقعاتی معاملات میں سہل انگاری کا اور یا اپنوں کی طرح ان کی طرف وہ کام منسوب کریں گے جو انہوں نے کئے ہی نہیں اور جو ان کے دائرۂ عمل سے خارج تھے۔

اس ضمن میں یہاں صرف دو مثالوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، اگرچہ ان پر مفصل بحث آگے آتی ہے۔ حدیث کے مواد غزوات وسرایا کی سیرتی مواد پر ترجیح کے ایک بڑے حامی ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری ہیں۔ جنہوں نے امام بخاری سے خاص کر توقیت کے غزوات میں مدد لی

ہے۔ لیکن ان کی توقیت غزوات نہ صرف ناقص ہے بل کہ امام بخاری کے ساتھ ظلم بھی ہے کہ ان کے بیان کردہ اخبار و روایات کو انہوں نے واقعاتی ترتیب سمجھ لیا ہے دوسرے مستشرق بی ایم جونز ہیں جن کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بعض غزوات و سرایا میں امام بخاری کی توقیت سے خاص کر کہیں کہیں غزوات کی ترتیب بخاری سے استشہاد کرتے ہیں، جب کہ خوب جانتے ہیں کہ وہ ترتیب توقیتی یا تاریخی نہیں ہے۔

امام بخاری نے غزوات و سرایا کو جس ترتیب سے اپنے ابواب میں باندھا ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ زمانی ترتیب اور تقویمی تسلسل کے مطابق نہیں ہے، چند اہم مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ امام بخاری کی کتاب المغازی میں غزوات اُحد و رجیع و بئر معونہ کے بعد آٹھواں شمار جنگ/ خندق یا احزاب کا ہے جس کے بعد غزوۂ بنی قریظہ ہے جو زمانی ترتیب کے مطابق نواں ہے، لیکن اس کے بعد غزوہ ذات الرقاع کو دسویں نمبر پر بیان کیا ہے حال آں کہ اس کی تاریخ وقوع کے مطابق ان کی روایت ہے وہ خیبر کے بعد ہوا تھا اور وہ خیبر کتاب المغازی بخاری میں سترہ نمبر پر آیا ہے، اسی طرح وہ غزوہ مریسیع / بنی المصطلق کو غزوہ ذات الرقاع کے بعد گیارہویں نمبر پر لاتے ہیں، اور باب حدیث الافک کو غزوہ انمار کے بعد، جب کہ اسے پہلے ہونا چاہیئے تھا سرایا کا معاملہ تو غزوات سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ ان میں کوئی ترتیب زمانی نہیں ہے مثلاً غزوہ ذات السلاسل کو غزوات فتح مکہ و حنین کے بعد اکتیسویں نمبر پر بیان کیا گیا ہے۔ اس تجزیئے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب المغازی میں غزوات و سرایا کو زمانی ترتیب سے نہیں بیان کیا ہے، جیسا کہ اہل سیر کا طریقہ و قاعدہ ہے اور جہاں کہیں ایسی ترتیب آگئی ہے وہ محض غیر ارادی ہے، مقصود نہیں کہ ترتیب واقعات محدثین کرام کے ہاں لازمی نہیں ہوتی سوائے، ان مقامات کے جہاں شرعی و فقہی صورت کی تعیین ہی ترتیب زمانی پر منحصر ہو۔

صحیح مسلم کی ترتیب غزوات

امام بخاری کے برعکس امام مسلم کے ابواب اور ان کے مندرجات کے ساتھ ان کی ترتیب بھی دینی اور قانونی نقطۂ نظر اور شرعی پہلو رکھتی ہے، اس لئے ان کی ترتیب غزوات بالکل مختلف ہے بل کہ کہا جا سکتا ہے کہ ترتیب زمانی کی رعایت ان کا مقصود ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب

الجہاد والسیر کی پہلی حدیث اور باب کا تعلق غزوۂ بنی مصطلق کے ایک اہم مسئلے سے ہے۔ ان کے ہا
ل غزوات وسرایا کی ترتیب سے متعلق جو مواد جس انداز سے آیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

احزاب میں بددعا/ دعائے نبوی، غزوہ اُحد میں دعائے نبوی، بعض مغازی میں مقتول عورت پر تاسف نبوی، غزوہ بنو النضیر میں قطع نخل نزول آیات انفال (بدر)، سریۂ نجد، حنین میں مسلم ہزیمت، بدر میں قتل ابو جہل، سریۂ خالد، غزوۂ موتہ، غزوۂ ہوازن (سلمہ بن الاکوع کی شجاعت اور لقاح نبوی کی واپسی)، سریۂ ابوبکر/فزارہ، اموال بنی النضیر فے تھے (صدقات نبوی کے معاملات خیبر فدک وغیرہ) غزوہ بدر اور امداد ملائکہ، سریۂ زید (ثمامہ بن اثال کی قید)، اجلا یہود حجاز کے تحت بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ، بنو قریظہ کا قتل، احزاب سے واپسی پر غزوہ قریظہ کے لئے روانگی، غزوہ خیبر کے بعد اموال انصار کی واپسی از مہاجرین، قریظہ ونضیر کے اموال نبوی، غزوہ خیبر کا قلعہ، صلح حدیبیہ کے پس منظر میں ہرقل اور حضرت ابوسفیان کی گفتگو اور قیصر وکسریٰ کے نام فرامین رسول ﷺ، باب غزوۃ حنین (مسلم ہزیمت اور نبوی صلابت)، غزوۃ الطائف (محاصرے کے بعد مسلم واپسی) باب غزوۃ بدر (صحابہ کرام بالخصوص انصار کا مشورہ)، باب فتح مکہ، باب صلح الحدیبیہ، غزوہ بدر میں بعض صحابہ کی عدم شرکت کی وجہ، باب غزوۃ الاحزاب، باب غزوۃ احد، بدر میں موذیوں کے قتل کی بشارت، مقتولین بدر، واقعہ، بدر سے قبل کا واقعہ، عیادت نبوی، باب قتل ابی جہل، باب قتل کعب بن الاشرف، باب غزوۃ خیبر، باب غزوہ الاحزاب/ خندق، باب غزوۃ ذی قرد، قتل مرحب در غزوہ خیبر، غزوہ فتح مکہ کے واقعات، باب عدد غزوات، باب غزوۃ ذات الرقاع، غزوۂ بدر میں مشرک کی امداد سے انکار نبوی۔ یہ باب کتاب الجہاد والسیر کا آخری باب ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ امام مسلم نے غزوات کا ذکر ترتیب زمانی کے مطابق نہیں کیا اور یہی حال دوسرے اماموں کا ہے۔ مسند احمد بن حنبل کی ترتیب ساعاتی، الفتح الربانی میں کتاب الجہاد کے تحت جو ابواب وفصول قائم کئے گئے ہیں ان کا بھی انداز دینی اور تشریعی ہے۔ (۴۶)

خاتمۂ کلام

اگر چہ یہ بات اہم ہے اور غالباً بہت سے اذہان پر شاق بھی گذرے گی، تاہم ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ حدیثی روایات کی بنیاد پر غزوات وسرایائے نبوی کی تاریخ لکھی جاسکتی ہے، نہ ان کی

توقیت کی جا سکتی ہے۔ اس موضوع سیرت کے کامل فہم وافہام کے لئے سیرت نگاروں کی روایات سے استفادہ کرنا ہی لازمی نہیں، بل کہ ان کے اتفاق واجماع کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم تمام غزوات وسرایا کی بجائے صرف ان مغازی نبوی کے ذکر و بیان پر اکتفا کر لیں، جو محدثین کرام کی روایات میں موجود ہے۔ اس طرح ہم سیرت نبوی کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہو جائیں گے۔

اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ محدثین کرام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ غزوات وسرایا کی مکمل تفصیلات اپنی کتاب المغازی یا کتاب الجہاد میں دے رہے ہیں۔ ان کا مخصوص میدان اور تخصص کا شعبہ صحیح احادیث کا انتخاب اور ان سے استنباط مسائل ہے۔ وہ تو یہ بھی دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ان کے معتقدین وشارحین کرتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث ان کی کسی کتاب میں موجود ہیں۔ وہ تو اپنے شروط پر صحیح احادیث کا ایک منتخب مجموعہ پیش فرماتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی مسلم ہو چکی ہے کہ محدثین کرام نے احادیث کا انتخاب فقہی، تشریعی یا دینی نقطۂ نظر سے کیا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتب حدیث اپنے مواد، مقصد اور طریقے کے لحاظ سے کتب فقہ ہیں جو امامان فقہ ورائے کے متوازی حدیثی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہیں، اگرچہ وہ اسی کے دوش بہ دوش احادیث نبوی، اقوال وآثار صحابہ کرام اور آرا وافکار علما بھی پیش کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصود ومطلوب صرف معلومات فراہم کرنا نہیں ہے۔ اور پھر ان کا ایک مخصوص میدان ہے، جو ارباب سیرت اور سیرت نگاروں کے میادین تخصص سے الگ ہے، لہٰذا وہ سیرت نبوی کا ایک ماخذ تو ہیں لیکن کامل ماخذ یا سیرتی مصادر نہیں ہیں۔ اسی بنا پر ان میں غزوات وسرایا کا بیان کامل نہیں ملتا، اور بعض کے علاوہ اکثر کتب حدیث میں یہ باب ہی ندارد ہے۔ جب محدثین کرام نے غزوات وسرایا کا احاطہ ہی نہیں کیا تو یہ توقع رکھنی عبث ہے کہ انہوں نے ان کی توقیت بھی کی ہوگی۔ ہمارے اس دعوے کی شہادت بیشتر محدثین کرام بل کہ ان کی غالب ومحترم اکثریت دیتی ہے۔ توقیت کا جزوی عمل صحیح بخاری میں ملتا ہے اور دوسری کتب حدیث میں اس سے بھی کم تر اور اکثریت کے ہاں صفر کے برابر۔ لہٰذا یہ دوسری شہادت یہ ہے کہ توقیت غزوات وسرایا ان کے منصوبہ اور طریقے میں شامل ہی نہیں تھی۔ تیسری اہم شہادت یہ ہے کہ امام جلیل بخاری رحمہ اللہ نے بھی غزوات وسرایا کو ان کی تاریخی ترتیب وواقعاتی تسلسل کے مطابق اپنی کتاب صحیح میں نہیں بیان کیا ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ امام بخاری نے اوران کی پیروی میں امام مسلم وغیرہ نے جو بعض غزوات وسرایا کی توقیت کی ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ ہماری مفصل بحث سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اماماں حدیث نے جو تاریخیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی نہیں ہیں، بل کہ وہ ان کے روا ۃ کی بیان کردہ ہیں یا اصحاب سیر کی تاریخیں ہیں۔ امام بخاری اوران کے ہم نوا وہم فن علما ان روایا ت کو صرف نقل کرتے ہیں۔ وہ ان کو نہ قبول کرتے ہیں اور نہ مسترد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض غزوات وسرایا کے ضمن میں صرف ایک روایت وتاریخ نقل کرتے ہیں جو متفقہ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی وہ کافی مختلف فیہ اور متنازعہ تاریخ بھی دیتے ہیں، جیسے کہ ابن اسحاق وموسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے انہوں نے غزوات مریسیع وخندق کے باب میں کیا ہے۔ وہ ان میں سے کسی روایت یا تاریخ کو قبول ومسترد نہیں کرتے، بل کہ اصحاب رائے وسیر کی آرا نقل کرتے ہیں۔ ان کے ابو اب کے تراجم، مباحث اور دوسرے قرائن سے کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ابن اسحاق کو ترجیح دیتے ہیں یا موسیٰ بن عقبہ کو۔ اس کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ توقیت غزوات وسرایا کی جو بھی مثالیں بخاری مسلم وغیرہ میں ملتی ہیں وہ اصحاب روایت یا ارباب مغازی کی بیان کردہ تاریخیں ہیں، جن سے اماماں حدیث کو صرف نقل کرنے کے علاوہ کچھ اور سروکار نہیں۔ ورنہ ان پر تضاد بیانی کا الزام آئے گا جو ان کے شارحوں اور مداحوں کا کام ہوگا نہ کہ ان جلیل القدر ہستیوں کا۔ یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح غزوات وسرایا کی تعداد میں محدثین کرام کی اپنی روایات کا اختلاف نظر آتا ہے، انہوں نے شریک غزوات صحابہ کرام کی آرا و تجربات نقل کئے ہیں جو ان کی شرکت کی بنیاد پر مبنی ہیں۔

شارحین حدیث بالخصوص امام ابن حجر عسقلانی، علامہ قسطلانی نے یہ گرہ بھی کھول دی ہے کہ صحیح بخاری میں موسیٰ بن عقبہ کی طرف منسوب بعض تاریخیں بالخصوص غزوہ مریسیع کی شوال ۴ھ کی تاریخ صحیح انتساب نہیں بل کہ بہ قول ابن حجر وہ سبقت قلم ہے کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ کے بعض دوسرے نسخوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں شوال ۵ھ کی ہی تاریخ موجود ہے کسی غلطی یا غلط فہمی سے وہ صحیح بخاری میں ۴ھ ثبت ہوگئی ہے۔ اس کی توجیہ شارحین بخاری نے واضح طور سے کی ہے۔ یہی توجیہ دوسرے ابواب ومباحث میں بھی صحیح ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے غزوات وسرایا کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔

لیکن جہاں دو صاحبان سیرت وقلم کاران مغازی کی اختلافی تاریخیں مذکور ہیں، وہاں

اصول ترجیح عمل میں لایا جائے گا اور وہ ارباب سیر کا اصول ترجیح ہوگا کہ اختلاف ان کا ہے نہ کہ محدثین کرام کا۔ مثلاً ابن اسحاق وموسیٰ بن عقبہ کی اختلافی تاریخیں۔ ان کو طے کرنے کے لئے جو اصول حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور حافظ مغلطائی وغیرہ نے مستنبط کیا ہے وہ علمائے سیرت و مغازی کے اتفاق واجماع یا جمہور کے نقطۂ نظر کا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جہاں اہل سیر متفق ہیں وہاں ان کا اجماع واجب العمل وقابل اتباع ہوگا۔ اختلاف اہل مغازی کی صورت میں جمہور کا مسلک قابل عمل ہوگا اور اس سے اختلاف اسی صورت میں ممکن العمل اور قابل قبول ہوگا، جب شواہد وحقائق سے جمہوری نقطۂ نظر کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ یہاں یہ بات پھر دہرائی جائے کہ ارباب سیر کے اختلافی نقطۂ نظر میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے سے محدثین کرام سے اختلاف کا سوال نہیں اٹھتا کہ وہ ان کا نقطۂ نظر ہی نہیں۔

ان ہی اسباب وعوامل اور وجوہ ونظائر کی بنا پر شارحین حدیث نے بالعموم اصحاب سیر کی تاریخوں اور روایتوں سے بحث بھی کی ہے، ان سے استناد بھی کیا ہے اور ان کو ترجیح بھی دی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے تقریباً سب ہی نے واقدی جیسے مغازی نگار اور سیرت نویس کی روایات کو نقل کیا ہے اور استناد بھی کیا ہے۔ حال آں کہ بالعموم ان کو مطعون کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس طعن کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کا اور دوسرے اہل سیر کے مقام ومرتبے کا تعین حافظ مغلطائی کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں کرنا چاہیے کہ ارباب سیر ماہرین فن سیرت اور متخصصین مغازی تھے، لہٰذا ان کے اجماع واتفاق کو ان کے تخصص ومہارت کے سبب ترجیح حاصل ہوگئی۔ جیسا کہ فن حدیث میں اماماں حدیث کو اور فن تفسیر میں ماہرین تفسیر کو یا ادب ولغت میں ان کے ماہرین کو حاصل ہوتی ہے۔

۶ توقیت غزوات وسرایا کے باب میں محدثین کرام کی روایات کا جو تجزیہ کیا گیا ہے۔ وہ روایت ودرایت دونوں کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بہت سے دوسرے اطراف و جوانب اور ضمنی مباحث ہیں خاص کر محدثین کرام کا نقطۂ نظر ثابت کرنے والوں کے۔ ان سے زیادہ تعرض یہاں نہیں کیا گیا کہ وہ محدثین کرام کے دلائل وبراہین اور مباحث نہیں ہیں بل کہ ان کے غالی عقیدت مندوں کے ہیں۔

تعلیقات وحواشی

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، اول ص ۸۴ میں جامع علامہ سید سلیمان ندوی نے مصنف

گرامی کی بحث مراجع کے اخیر میں جو اصول مستنبط کئے ہیں ان میں تیسرا یہ ہے۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں اس لئے بہ صورت اختلاف احادیث کی روایت کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند (غیر مورخہ) اول ص ۴ و مابعد میں اگرچہ دونوں قسم کے اہل قلم میں تقابل نہیں کیا ہے مگر ان کا مطلب بھی وہی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔ جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا انہوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی سب کو صحیح طور سے جمع کیا جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور صحیح ابن خزیمہ اور منتقی ابن جارود اور صحیح ابن حبان۔ ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے۔

سعید احمد اکبرآبادی، عثمان ذوالنورین، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۸۳، ص ۵۳۔ دوسرا اصول یہ ہونا چاہیے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیح کی روشنی میں آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام خصوصاً عشرہ مبشرہ اور خلفائے راشدین کی جو شخصیت ابھرتی ہے اگر کسی تاریخی روایت میں کوئی بات اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔

اکرم ضیاء العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، مرکز بحوث السنۃ والسیرۃ قطر ۱۹۹۱ء اس کی اہم ترین مثال ہیں کہ انہوں نے اپنی صراحت کے مطابق سیرت نبوی کی روایات کے نقد میں محدثین کرام کے قواعد کی تطبیق کی کوشش کی ہے اور حدیثی مستند روایات پر پوری سیرت لکھی ہے۔

مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، نئی دہلی ۱۹۸۶ء نے یہی نقطۂ نظر اپنایا ہے اور شروع میں حدیثی وسیرتی روایات کے اختلاف پر مشتمل ایک جدول دی ہے جس میں سیرتی ماخذ پر حدیثی روایات کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ اس طبقے میں زیادہ تر مؤلفین سیرت شامل ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بھی بیشتر اہل قلم جو نظریاتی طور سے حدیثی روایات کو سیرتی روایات پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن عملاً وہ بھی سیرت کے مراجع پر زیادہ انحصار کرنے کے سبب بیشتر مقامات پر حدیث کی روایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ شبلی نعمانی، ادریس کاندھلوی کے علاوہ اکرم ضیاء العمری نے قدم قدم پر ایسا کیا ہے۔ البتہ اسے اپنی تاویلات وتوجیہات سے یا علمائے سلف کے اقوال وآثار کی مدد سے حدیث کے مطابق بنا دیا ہے۔

۳۔ قدیم سیرت نگاروں میں نادر مثال حافظ مغلطائی کی ہے جو اختلاف روایات اور تصادم اخبار کی صورت میں کئی جگہ امام بخاری جیسے عبقری محدث کی روایات سے بھی اختلاف کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج کتاب سیرۃ مغلطائی، مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۲۶ھ، ۵۴۔ ۵۳ جو غزوہ ذات الرقاع کے باب میں امام بخاری کی توقیت اور اس کی دلیل بیان کر کے کہتے ہیں کہ

اہل سیر کے اجماع کے سبب اس کی صحت میں کلام وشبہ ہے۔

۴۔ شبلی نعمانی، ادریس کاندھلوی اور بعض دوسرے اہل قلم نے اپنی اپنی سیرتی تصانیف میں ان دونوں نوع کی روایات کا کہیں کہیں جو تقابلی مطالعہ کیا ہے وہ محمود و مستحسن ہونے کے باوجود صرف جزوی حل پیش کرتا ہے اور وہ بھی ناقص طور سے۔ اصل مسئلہ ان روایات کی کلی تنقیح اور کامل تجزیے سے حل ہوسکتا ہے۔

۵۔ ابن اسحاق، لائف آف محمد (انگریزی ترجمہ)، الفریڈ گیوم، لندن ۱۹۵۵ء، واقدی، کتاب المغازی، مارسڈن جونس، آکسفورڈ ۱۹۶۰ء۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء۔ بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ قاہرہ ۱۹۵۹ء، یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء دوم، طبری تاریخ الرسل الملوک، مرتبہ محمد محی الدین عبدالحمید، قاہرہ ۱۹۶۰ء۔ متعلقہ مباحث، نیز ملاحظہ ہو خاک سار کی کتاب عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، القاضی پبلشرز، نئی دہلی ۱۹۸۷ء کے ضمیمے متعلق برامراء سرایا وغزوات نیز باب سوم۔ آر بی سرجنٹ (R.B Sergent) الفریڈ گیوم کا ترجمہ سیرۃ bsoas (۱۹۵۸ء) ۱۴۔۱

۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی قاہرہ ۱۳۴۵ھ۔ ابن حجر، فتح الباری، دار المعرفہ، بیروت۔ علامہ قسطلانی، ارشاد الساری مطبقہ امیریہ، بولاق مصر ۱۳۲۴ء جلد ششم ص ۴۷۶۔۲۴۰۔ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الجہاد سیر، مطبوعہ دیوبند غیر مورخہ نیز ارشاد الساری کے حاشئے پر متن صحیح مسلم مع شرح نووی موجود ہے۔ ابوداؤد، سنن، ترمذی، سنن وغیرہ دوسری کتب حدیث بھی ملاحظہ ہوں۔

۷۔ ملاحظہ ہو ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، اول ص ۸۔۶ ومابعد نیز خاک سار کا مضمون،، اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اوران کا حل،، مجلہ علوم اسلامیہ شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۸۔ مغلطائی، سیرۃ، ص ۸۷۔۴۰ نے تقریباً ہر سریئے/غزوے کے بارے میں اہل سیر کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور صحیح روایت کو ترجیح دی ہے جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتی ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی کے علاوہ دوسرے اہل سیر نے بھی اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ جدید تجزیے کے لئے ملاحظہ ہو۔ جے ایم بی جونز The Chronology of Maghazi A Texual Survey (J.M.B Jones) SOASB ۱۹۵۷ء) جلد نمبر ۱۹، ص ۸۰۔۲۴۵

۹۔ عزیز گرامی محمد جمشید ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے تحقیقی مقالے کے لئے موسیٰ بن عقبہ کی روایات جمع کررہے ہیں، جن کی تدوین وتحقیق وہ بعد میں کریں گے۔ اس مطالعے میں موسیٰ بن عقبہ کی روایات ان ہی کی فراہم کردہ ہیں اور اس کے لئے ہم بے حد شکرگذار ہیں۔ جلد ہی وہ غزوات وسرایائے نبوی کی توقیت ابن عقبہ پر ایک مضمون لکھیں گے۔

۱۰۔ بخاری، کتاب المغازی کے مختلف ابواب ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔مگر آئندہ حوالے میں اختصار کی خاطر کتاب کتاب المغازی کا ذکر نہ آئے گا، صرف باب کا ہوگا۔ اور جب تک تصریح نہ کی جائے وہ کتاب المغازی ہی کا باب ہوگا۔

۱۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر کا رنگ وآہنگ ابواب صحیح بخاری کے برخلاف بقیہ صحاح اربعہ/سنن اربعہ کی مانند ہے کہ وہ واقعات سے زیادہ دینی نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پھر ابواب کی تعیین امام مسلم کی اپنی نہیں ہے، بل کہ ان کے شارح امام نووی کی ہے۔

۱۲ باب قتل ابی رافع عبداللہ بن ابی الحقیق امام بخاری نے باب ہی کی عبارت میں ابورافع کے نام پر دوسری روایت کا ذکر، یقال، (کہا جاتا ہے) سے کیا ہے کہ اس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا۔ اور وہ خیبر میں تھا پھر غزوہ کی دوسری روایت کے مطابق منزل (یقال) کے ذریعے ارض حجاز کا ایک قلعہ بتایا ہے۔ گویا کہ امام موصوف کے نزدیک عبداللہ نام راجح اور سلام مرجوح تھا جس طرح خیبر راجح اور ارض حجاز کا قلعہ مرجوح تھا۔ ابن حجر، ہفتم ص ۳۴۲۸ نے مختلف تاریخوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد کی روایت کہ وہ رمضان ۶ ھ میں واقع ہوا ''قال'' کے لفظ سے نقل کی ہے بقیہ ۵ ھ، ۴ھ اور ۳ھ تین روایات،، قیل،، (کہا گیا) کے لفظ علامت سے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موخرالذکر علامت مرجوح روایت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

۱۳۔ بخاری، باب غزوۃ ذات الرقاع: ابن حجر، ہفتم ص ۴۱۶ نے توقیت غزوہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری کا میلان یہ ہے کہ وہ اسے خیبر کا واقعہ مانتے ہیں اس کے باوجود اس کا ذکر خیبر سے قبل کیا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اصحاب مغازی کی تاریخ جوا سے قبل خیبر بتاتی ہے قبول کرلی تھی یا وہ ان کے رواۃ کا خیال ہے، یا اس احتمال کی طرف اشارہ ہے کہ ذات الرقاع نامی دوغزوے ہوئے تھے، جیسا کہ بیہقی نے اشارہ کیا ہے۔ بہ ایں ہمہ اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ وہ خیبر سے قبل کا واقعہ ہے، ان میں زمانے کا اختلاف پایا جاتا ہے، ابن اسحاق نے غزوہ بنی النضیر کے بعد اور خندق سے قبل سن ۴ ہجری کی تاریخ بیان کی ہے، ابن حبان اور ابن سعد نے محرم سن ۵ ہجری ابومعشر نے بنوقریظہ وخندق کے بعد ہونے کی حتمی تاریخ دی ہے۔

۱۴۔ بخاری، باب غزوۃ ذات القرد، امام بخاری نے اس غزوے کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ وہی غزوہ ہے جس میں انہوں (دشمنوں) نے نبی ﷺ کے اونٹوں (لقاح) پر خیبر سے تین (ثلاث) پہلے غارت گری یا حملہ کیا تھا۔ اس میں ثلاث کے بعد دن، ماہ یا سال کی قید نہیں ہے۔ وہ شارحین بخاری کی فراہم کردہ ہے، ابن حجر، ہفتم ص ۴۶۰؛ قسطلانی ششم ص ۳۵۸؛ نے امام قرطبی شارح مسلم کی رائے نقل کی ہے۔ کہ شاید یہ تاریخ کسی راوی کا وہم ہو نیز ملاحظہ ہو: حافظ مغلطائی ص ۵۸، جنہوں نے کہا کہ امام بخاری نے اس کو تین دن قبل خیبر ہونا بتایا ہے۔ مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔ لیکن اس میں نظر ہے کہ اہل

سیر کا ان کے برعکس اجماع ہے۔

۱۵۔ بخاری، باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔ اس باب کی دوسری روایت حضرت ابن عباس کی ہے جس میں رمضان کے ذکر کا اعادہ ہے اور تیسری حدیث جو صحابی موصوف کی دوسری روایت ہے میں راوی کے الفاظ ہیں: **خرج فی رمضان ومعه عشرة الاف وذٰلك علی راس ثمان سنین و نصف من مقدمه المدینة**، ابن حجر ہشتم ص ۴ و مابعدہ نے تعیین تاریخ میں متعدد روایات اہل مغازی سے بھی نقل کی ہیں۔ حافظ مغلطائی ص ۷۱۔ ۶۹ نے فتح مکہ کی تاریخ میں ماہ رمضان کا ذکر کر کے حاکم کی روایت پر مدینے سے روانگی کی تاریخ سہ شنبہ ۲ رمضان تاریخ بیان کی ہے۔ پھر مکہ مکرمہ میں قیام نبوی کی مدت کے بارے میں مزید اختلافی تاریخیں نقل کی ہیں۔ امام بخاری نے ایک روایت میں پندرہ دن اور دوسری روایت میں انیس دن قیام نبوی کی مدت بتائی ہے۔ امام بوداؤد نے سترہ، امام ترمذی نے اٹھارہ دی ہے، اکلیل میں ہے کہ صحیح مدت بضع عشرہ ہے۔ نیز ابن حجر، ہشتم ص ۲۲۔ ۲۱

۱۶۔ بخاری، باب غزوۃ الفتح فی رمضان میں ہی حضرت ابن عباس کی روایت دیگر کے الفاظ ہیں۔ **خرج النبی صلی الله علیه وسلم فی رمضان الیٰ حنین و الناس مختلفون فصائم و مفطر،** ابن حجر ہشتم، ص ۲۷ نے اہل مغازی کی تاریخ کو ترجیح دی ہے اور رمضان میں روانگی کی تاریخ کو قیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں تاریخوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ نکلے تو ۲۸ رمضان کو مگر یہ ابتدا تھی اور چھ شوال کو بالآخر روانگی ہوئی اور دس کو حنین پہنچے۔ گویا کہ دونوں تاریخوں میں مصالحت کرادی مگر اس سے اہل سیرت کی تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔ نیز قسطلانی، ششم ص ۴۰۱ نے اپنی شرح میں صرف ۶ شوال کی تاریخ روانگی نقل کی ہے اور اختلاف سے بحث ہی نہیں کی۔

حافظ مغلطای کے مطابق حنین کو روانگی کی تاریخ ۷ شوال (لسبع لیال خلون من شوال) تھی۔ اور یقال کے بعد دوسرا نقطۂ نظر بیان کیا ہے کہ رمضان کی دو راتیں ابھی باقی تھیں کہ حنین کی طرف روانہ ہوئے، قول اول کے مطابق حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ قول اول کے مطابق حنین دس شوال کو پہنچے۔

۱۷۔ بخاری (بعث علی بن ابی طالب علیه السلام وخالد بن الولید رضی اللہ عنہ الی الیمن قبل حجۃ الوداع) باب کی عبارت کا قوسین میں تحریر کیا جانا شبہ پیدا کرتا ہے کہ یہ باب امام بخاری کا اپنا قائم کردہ ہے یا کسی اور نے یہ جسارت بے جا کی ہے۔ شبہ کا سبب قوسین کے استعمال کے علاوہ حضرت علیؓ کے ساتھ علیہ السلام کا لاحقہ بھی ہے جو شیعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے۔ نیز ابن حجر، ہشتم ص ۶۱۔ ۶۰ نے اہل مغازی کی تاریخ ربیع الآخر ۹ھ نقل کی ہے۔ نیز ص ۶۶۔ ۶۵

۱۸۔ بخاری، باب غزوۃ العشیرہ اوالعسیرہ۔ امام بخاری نے غزوہ کے نام میں کئی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ العشیرہ یا العسیرہ کا ذکر تو باب ہی میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ روایت میں العشیر بھی آیا ہے جس کے لئے حضرت قتادہ کا حوالہ دیا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو: ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری، دار المعرفۃ بیروت (غیر مورخہ) ہفتم ص۸۲۔ ۲۷۹ (کتاب المغازی باب غزوۃ العشیرہ) شارحِ گرامی کے ابواب اصل کتاب کے مطابق ہیں۔ لہٰذا اگلے حواشی میں صرف ابن حجر جلد وصفحہ کا حوالہ ہوگا۔

۱۹۔ پورا باب ہے: باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ وحدیث عضل والقارۃ وعاصم بن ثابت وخبیب واصحابہ۔ اس کے بعد قول ابن اسحاق نقل کیا ہے۔ ابن حجر ہفتم ص ۳۴۔ ۳۲۹ نے غزوہ بئر معونہ کی خبر کو غزوہ احد کے بعد بیان کرنے کی بات کہی ہے۔ (ص۳۳۱) غزوہ قریظہ کے لئے کہا ہے کہ اس کا ذکر خندق کے بعد ہوگا۔ (ص۳۳۲) ابن حجر توقیت کے لئے اہل سیر سے بھی برابر مدد لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بنو قینقاع اور بنو النضیر دونوں کی بہ یک وقت جلاوطنی کے خیال کے لئے حاکم پر نقد کرتے ہیں اہل سیر میں سے حافظ مغلطائی نے ان دونوں سرایا/غزوات کا ذکر غزوہ احد وحمراء الاسد کے بعد بل کہ سرایائے ابی سلمہ/قطن اور عبداللہ بن انیس/سفیان بن خالد ہذلی کے قتل کے بعد کیا ہے نیز ابن حجر ہفتم (ص۸۰۔ ۳۷۸) نے واقع رجیع کی تاریخ ابن اسحاق سے اواخر ۳ھ نقل کی ہے اور بئر معونہ کی اوائل ۴ھ

۲۰۔ بخاری باب غزوۃ الخندق وہی الاحزاب ابن حجر ہفتم ص۳۹۳ امام بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ نقل ضرور کی ہے لیکن کیا اس کو قبول بھی کیا ہے؟ اس کی وضاحت حافظ مغلطائی نے یوں کی ہے:...... غزوہ خندق/احزاب کو ابن عقبہ نے شوال سن ۴ ہجری میں اور ابن اسحاق نے سن ۵ ہجری میں ہونا قرار دیا ہے۔ اور بخاری نے اس کو غزوہ ذی الرقاع کے قبل بیان کیا ہے (سیرت مغلطائی ص۵۶) لیکن ابن حجر نے یہ تشریح کی ہے کہ مصنف (بخاری) کا میلان موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ کی طرف ہے اور اس کو تقویت باب کی اولین حدیث سے ملتی ہے جس میں حضرت ابن عمر کی عمر کی بحث ہے۔ مختصر تشریح کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حجت نہیں، کیوں کہ یہ ثابت ہے کہ وہ شوال سن ۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ احد اور احزاب کے مواقع پر حضرت ابن عمر کی عمر میں دو سال کا فرق ہو کہ اول الذکر کے وقت ان کا چودھواں سال شروع ہوا ہو اور احزاب میں پندرھواں پورا کرلیا ہو۔ اس کی تائید میں ابن اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ بدر الموعد احد کے ایک سال بعد ہوا تھا۔

۲۱۔ بخاری، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم، ابن حجر، ہفتم ص۱۱۔ ۴۰۸ ومابعد

مغلطائی کے مطابق ابن اسحاق نے ذوالحجہ سن ۵ ہجری اور ابن عتبہ نے اس ماپ کی کسی تاریخ سن ۴ ہجری میں وہ پیش آیا تھا جیسا کہ اوپر غزوہ خندق کے باب میں دونوں کا اختلاف ملتا ہے۔ ابن حجر نے بھی اس کی تاریخ نہیں دی ہے سوائے اس کے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کی سات

تاریخوں کے باقی ہونے کے دن بنو قریظہ کے لئے نکلے تھے۔ اس میں سن کا ذکر نہیں۔ البتہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سیر کی تاریخ سن ۵ ہجری قبول کی ہے۔ نیز ص ۴۱۷ جہاں ابن حجر نے یہ بیان دیا ہے کہ جیسا ذکر گذر چکا غزوہ قریظہ ذوالقعدہ سن ۵ ہجری ہوا تھا۔

۲۲۔ بخاری، باب غزوة بنی المصطلق من خزاعة وهی غزوة المریسیع۔ اس کے بعد دونوں اقوال کا ذکر کر کے باب ہی میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ نعمان بن راشد کی روایت از زہری کے مطابق افک کا تعلق غزوہ مریسیع سے ہی ہے، ابن حجر، ہفتم ص ۴۳۱۔ ۴۲۸ مذکورہ بالا دونوں اہل سیر کی تواریخ بیان کرنے کے بعد ان کی تشریح کی ہے لیکن ایک اہم بات یہ کہی ہے کہ امام بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ لکھتے وقت سبقت قلم سے سن ۵ ہجری کی جگہ سن ۴ ہجری لکھ دیا ہے، کیوں کہ ابن عقبہ کی مغازی میں متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سن ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور اس کی تائید میں بہت سے دلائل وروایات نقل کی ہیں۔ نیز ارشاد الساری ششم ص ۳۳۶ نے بھی امام بخاری کی سبقت قلم کا اشارہ دیا ہے (فلعله سبق قلم) بیہقی، دلائل النبوۃ، جلد پنجم ص ۶۳۔ ۴۶۲ نے غزوات وسرایا کی فہرست موسیٰ بن عقبہ کی نقل کی ہے تین سندوں سمیت جو زہری پر منتہی ہوتی ہیں اور اس میں سن ۵ ہجری ہے۔

حافظ مغلطائی ص ۵۶۔ ۵۵ غزوہ خندق سے قبل اس کو بیان کرتے ہوئے اس کی تاریخ دوشنبہ ۲/شعبان سن ۵ ہجری دی ہے۔ مزید لکھا ہے جو بہت اہم ہے کہ بخاری نے کہا ہے وہ سن ۶ ہجری میں ہوا، جب کہ ابن عقبہ کے یہ قول وہ سن ۴ ہجری میں ہوا (ثم غزوة المریسیع یوم الاثنین للیلتین خلتا من شعبان سنة خمس وقال البخاری کانت سنة ست وقال ابن عقبة کانت سنة اربع) اس روایت سے موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ کی تغلیط نظر آتی ہے، بل کہ ابن اسحاق کی بھی۔

۲۳۔ بخاری، باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان قاله موسیٰ بن عقبه، ابن حجر، ہشتم ص ۴۴۔ ۴۳ اسی کو جمہور اہل مغازی کا قول بتایا ہے اور ذیقعدہ کی تاریخ شاذ کہی ہے۔ حافظ مغلطائی ص ۷۳ نے شوال ہی کہا ہے، لیکن آگے چل کر مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کی غیر حاضری کی مدت جو فتح مکہ حنین وطائف وغیرہ کی مدت پر محیط ہے دو ماہ اور سولہ دن بتائی ہے لیکن مدینے واپسی کی قطعی تاریخ نہیں دی۔

۲۴۔ متن میں اس کے حوالے آچکے ہیں جیسے غزوہ ابواء میں ابن اسحاق کا حوالہ، اور طائف میں میں موسیٰ بن عقبہ کا اور غزوہ مریسیع میں دونوں صاحبان مغازی کا ان کے علاوہ بعض جگہ ان دونوں کا حوالہ دیا ہے انفرادی طور سے یا اجتماعی لحاظ سے۔

۲۵۔ بخاری، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول ﷺ الیهم فی دیة الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول الله صلی الله علیه وسلم۔ امام زہری کا قول حضرت عروہ سے منقول ہے اور سورہ حشر کی آیت کریمہ ہے: هو الذی...... لاول الحشر۔ ابن اسحاق کے بارے میں ان کا جملہ ہے: وجعله ابن اسحاق بعد بئر معونة واحد۔ حافظ مغلطائی ص ۵۳ نے اس کی توقیت

کے بارے میں لکھا ہے کہ غزوہ بنی النضیر ربیع الاول سن ۴ ہجری میں ہوا۔ ابن اسحاق نے اس کو بئر معونہ کے بعد ہونا بتایا ہے۔ اور امام زہری نے بدر کے چھ ماہ بعد، مغلطائی کے بیان سے امام بخاری کی تاریخ کی تائید بھی ہوتی ہے اور تشریح بھی، نیز ارشاد الساری، ششم ص ۲۷۸۔

۲۶۔ امام بخاری نے غزوہ بنی النضیر کے باب کے تحت جو روایات واحادیث نقل کی ہیں ان میں مذکورہ بالا تینوں یہودی قبیلوں کی جلاوطنی کا ذکر ہے، بل کہ ارض حجاز سے تمام یہود مدینہ کے اخراج کا ذکر ہے۔ امام مسلم کی صحیح میں اس کا عنوان/ باب ہی یہی اخراج ہے: باب اجلاء الیہود من الحجاز

۲۷۔ باب غزوة ذات الرقاع، وھی غزوة محارب خصفه من ثعلبه من غطفان، فنزل نخلا، وھی بعد خیبر لان اباموسیٰ جاء بعد خیبر، ابن حجر، ہفتم ص ۴۱۷ نے متعدد تاریخیں دی ہیں اور محاکمہ کیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے بعد اس کا وقوع صحیح اور حتمی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ غزوہ خندق میں صلاۃ خوف شروع نہیں ہوئی تھی اور وہ غزوہ ذات الرقع کی دین ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غزوہ خندق کے بعد کا واقعہ ہے۔ نیز ص ۲۴۔۴۱۹ جہاں انہوں نے دوسری تشریح کی ہے۔

۲۸۔ بخاری، باب غزوة الخندق وھی الاحزاب۔ حضرت ابن عمر کی روایت کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں فوجی بھرتی کی عمر ثابت کرنے کے لئے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو کتاب الخراج والامارة والفیٔ، باب متی یفرض الرجل فی المقاتله، نیز ملاحظہ ہو: مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ۱۸۔۱۱ اکرم ضیاء العمری ص ۴۱۸ کا خیال ودلیل ہے کہ شوال ۵ھ اور ۴ھ کے دو قولوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ ۴ھ کے قائلین تاریخ اسلامی کا شمار محرم سے کرتے ہیں جو ہجرت کے بعد کا پہلا آغاز سنہ تھا اور ربیع الاول تک آنے والے مہینوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، لہٰذا بدر ان کے نزدیک ۱ھ میں ہوا، احد ۲ھ میں اور خندق ۴ھ میں۔ اگرچہ سن کا آغاز جمہور علماء کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان دونوں اقوال میں خاص کر مؤرخین کے قول میں کہ جنگ خندق ۵ھ میں ہوئی تھی کوئی اختلاف وتصادم نہیں۔ البتہ امام ابن حزم کا یہ قول کہ احد وخندق کے درمیان صرف ایک سال کا فرق تھا شاذ ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر کی مذکورہ بالا حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل لی ہے لیکن امام بیہقی، ابن قیم، ذہبی اور ابن حجر نے اس کی وہی تفسیر کی ہے جس کا متن میں حوالہ دیا گیا ہے۔

اکرم ضیاء عمری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس طرح نہ تو صرف تمام غزوات وسرایا کی توقیت غلط قرار پائے گی بل کہ تمام دوسرے واقعات بھی غتربود ہو جائیں گے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام بخاری وغیرہ محدثین کرام کی نقل کردہ بعض دوسری متفقہ تاریخیں بھی تضاد کا شکار ہو جائیں گی۔ مثلاً غزوۂ بدر ہجرتِ نبوی کے (محرم سے آغاز سن کرنے والی روایت کے مطابق) اٹھارہ ماہ بعد ہوا اور ربیع الاول سے سن کے آغاز کرنے والے نقطۂ نظر کے مطابق سولہ ماہ بعد۔ اس طرح وہ دونوں تقویموں میں ۲ھ کا واقع ہے۔ یہی صورت دوسرے غزوات وسرایا کی تاریخوں میں بھی جاری ہے کہ ان دونوں تقویموں

میں کل دو ماہ بارہ دن کا فرق پایا جاتا ہے۔ پھر بدر اور احد کے ۱ھ اور ۲ھ میں بالترتیب وقوع پذیر ہونے کی کوئی روایت مسلمہ نہیں ملتی۔ یہ محض محقق موصوف کا مفروضہ ہے جو تطبیق بلا مرجح کے اثبات کے گھڑا گیا ہے۔ خندق و مریسیع کے علاوہ بقیہ بشتر غزوات میں اختلات کرنے والے راویان گرامی نز سیر سے متفق ہیں جیسے خیبر، فتح مکہ، طائف، حنین وغیرہ جب کہ اول تقویمی نظریہ سے ان کو بہ قول عمری مختلف ہونا چاہئے تھا۔

۲۹۔ ابن سید الناس (محمد بن عبد اللہ بن یحییٰ العمیر ی اشبیلی م۷۳۴ھ) عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مؤسسۃ عز الدین، بیروت ۱۹۸۶ء اول ص ۱۱، ۴۱۰۔ حافظ موصوف کی یہ روایت ان کی اپنی سند پر مروی ہے جو انھوں نے دی ہے۔ اس کا سارا زور بھرتی کی عمر پر ہے نہ کہ توقیت غزوات پر متعدد شارحین حدیث کو بھی یہ تسلیم ہے کہ غزوۂ خندق میں حضرت ابن عمر کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی۔ ابن حجر، ہفتم ص ۳۹۳، نیز قسطلانی، ششم ص ۳۱۹

۳۰۔ بخاری، باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابن حجر، ہشتم ص ۵۴، ۱۵۴۔ بالقسطلانی ششم ص ۲۴۰ نے امام بخاری کی اولین حدیث مغازی کے ضمن میں تعداد غزوات پر بحث کی ہے اور ابن سعد کی سند پر ان کی تعداد ۲۷ بتائی ہے اور جن صحابہ کرام نے اس سے کم تعداد بیان کی ہے اس کی توجیہ کی ہے۔

۳۱۔ مسلم، باب عدد غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم نیز شرح امام نووی میں حضرت زید کی مذکورہ بالا روایت کی بنیاد پر اولین غزوہ ذات العسر یا ذات العشیر کو بتایا ہے اور غزوات کی تعداد پر اختلاف کا ذکر کر کے ابن سعد، امام شافعی کا حوالہ بھی دیا ہے، خاص کر فتح مکے کے غزوہ میں قتال ہونے سے متعلق امام شافعی وغیرہ کا خیال ہے کہ فتح مکہ صلح کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی لہٰذا وہ غزوات قتال میں شامل نہیں اس لئے صرف آٹھ میں قتال ہوا، لیکن جن اہل قلم نے اس کو بہ زور شمشیر فتح قرار دیا ہے وہ قتال والے غزوات میں اس کو شمار کرتے ہیں اور ایسے غزوات کی تعداد تو بتاتے ہیں۔

۳۲۔ ترمذی، ابواب الجہاد، **باب ماجاء فی غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کم غزیٰ، معہ شرح تحفۃ الاحوذی،** مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری، جید برقی پریس دہلی، سوم ۲۳۔۲۲ نے مختلف اہل مغازی نے تعدادِ غزوات وسرایا بھی بیان کی ہے۔

امام ابوداؤد نے کتاب الجہاد، کتاب الخراج والامارۃ والفئی کے عنوان کے تحت غزوات کا ذکر کیا ہے اور اس کے ابواب بھی ''حکم'' سے متعلق ہیں جیسے غزوۃ احد کے بارے میں ایک باب ہے: **باب فیمن یسلیم و یقتل مکانہ فی سبیل اللہ عزوجل،** یا **باب ماجاء فی حکم ارض خیبر** وعیرہ۔ ان کے ہاں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ وغیرہ میں غزوات کا ذکر ملتا ہے جیسے اول الذکر میں غزوہ ذات الرقاع کا ذکر ہے۔

امام ترمذی نے کتاب الجہاد میں یہی انداز دینی اپنایا ہے جیسے جنگ خندق میں حوالے سے ایک باب

ہے، باب فی الدعاء عند القتال، یا غزوۂ احد کے حوالے سے حضرت ابن عمر کی حدیث کی بنا پر باب فی حد بلوغ الرجل ومتی یفرض لہ۔

امام نسائی، کتاب الجہاد میں یہی دینی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں جیسے غزوہ احد کے حوالے سے ایک باب ہے: ثواب من قتل فی سبیل اللہ عز وجل، باب مایقول من لطیفہ العدو وغیرہ۔

امام ابن ماجہ نے کتاب الجہاد کا ایک باب باندھا ہے: باب العبید والنسا یشہدون مع المسلمین۔ یا باب المبارزہ والسلب یا باب افعارۃ والبیات وقتل النساء والصبیان۔

۳۴۔ علمائے حدیث کے درمیان یہ نکات معروف ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ محمد عبدالسلام مبارک پوری، سیرۃ البخاری مطبع احمد پٹنہ ۱۳۲۹ھ دوم ۳۹۔ ۳۱ بحث نیز تراجم ابواب بخاری۔ ان کا ایک عمومی تبصرہ بہت دل چسپ ہے۔ ''صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو دعاوی اور ان کے ماتحت کی حدیثوں یا آیتوں کو دلائل یا بمنزلۂ دلائل خیال کر لینا ایک بڑی بھاری غلط فہمی کی وجہ سے اکثر صحیح بخاری کے مطالعے کرنے والوں کو دھوکہا (کذا) ہوتا ہے''۔ (ص ۳۵) شروع میں مولانا مبارک پوری نے صحیح بخاری کی تالیف کے دو مقاصد قرار دیئے ہیں۔ اول صحیح احادیث کی جمع وتدوین اور دوم استنباطِ مسائل فقہیہ'' ص ۳۱

۳۵۔ بخاری، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، نیز ابن حجر وقسطلانی کے مباحث متعلقہ

۳۶۔ بالعموم ہمارے جدید سیرت نگاروں نے امام بخاری کی توقیت غزوات وسرایا کی بنیاد رکسی ایک امام فن سیرت کی رائے یا قول کو ترجیح دینے کا وطیرہ بنالیا ہے حال آں کہ امام موصوف کی روایت سے اس کی تصدیق ہرگز نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اس توقیت کو امام حدیث کی اپنی توقیت سمجھنے لگے ہیں اور وہ بھی قطعی صحیح نہیں ہے۔ ان دونوں نکتوں کے لئے مزید بحث آگے آتی ہے۔ جدید مورخین اور اہل سیرت کے طرزِ عمل کے لئے ملاحظہ ہو: مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین کی جدول بابت اختلاف محدثین واہل سیر۔ ۱۸، ۱۲

۳۷۔ تفصیلات کے لئے غزوات کی توقیت کا متعلقہ متن اور ان کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

۳۸۔ حضرت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ''مغازی رسول اللہ'' مرتبہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، ریاض ۱۹۸۱ء، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء

امام زہری کی کتاب المغازی کا حوالہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے بھی دیا ہے (ص اردو) اور جوزف ہورووتس کے مضمون ''سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین''، اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر لاہور اول ص ۵۴۳ ومابعد میں بھی ملتا ہے۔ صراحت کے لئے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی اول ص ۲۱ جنہوں نے امام ✸ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مغازی پر امام زہری کی اولین مستقل تصنیف تھی۔

۳۹۔ غزوات کا متعلقہ متن ملاحظہ ہو اور ان کے حواشی بھی۔

۴۰۔ کتاب المغازی ہمارے زیر مطالعہ متن بخاری میں جلد چہارم ۲۲۶۔۹۰ تا جلد پنجم ۲۰،۲ تک وسیع ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس نسخے میں کتاب المغازی کا عنوان متن میں نہیں ہے اس کی جگہ صرف باب (بلا عنوان) لکھا ہے۔ البتہ حاشیہ پر کسی دوسرے بسملہ بھی ہے اور کتاب المغازی کے عنوان کے ساتھ باب فی المغازی ہے۔

۴۱۔ ص ۶۹۔۶

۴۲۔ ص ۱۱۵۔۶۹

۴۳۔ ص ۲۴۔۱۱۵

۴۴۔ ص ۳۱۔۱۲۴

۴۵۔ ص ۳۹۔۱۳۱

۴۶۔ احمد عبدالرحمٰن البناء الساعاتی، الفتح الربانی، (مطبعۃ غیر مذکور) مصر ۱۳۷۰ھ جلد ۱۴ ص ۱۲۸۔۶ مثلاً چند ابواب کے عنادین ملاحظہ ہوں: **باب فضل الجهاد والترعيب فيه، ابواب قسم الغنائم، ابواب الامان والصلح، ابواب السبق والرمی، ابواب صفات الخليل الخ**۔ ان ابواب کے تحت غزوات وسرایا کا ترتیب وار یا بلاترتیب بیان نہیں ہے۔ بل کہ ان سے متعلق مسائل و امور اور ان کی مشروعیت کا ذکر ہے۔

شخصیات

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاںؒ

ترتیب: سید عزیز الرحمٰن

صفحات: ۲۹۶ قیمت: ۲۲۰

اهم عنوانات

اکابرین، اساتذہ، مشائخ، اقربا، علما، زعما، ادبا، احباب، تلامذہ

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز